Volume 04, Issue 03,
July-September 2026
PP: 01-20
Open Access on:
www.alimanjournal.com

AL-IMAN Research Journal
P-ISSN: 3006-1261 E-ISSN: 3006-127X

https://doi.org/10.63283/IRJ.04.03/03

ریاست کا تعلیمی نظام: سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں

The Educational System of the State in the Light of The Sirah of the Prophet (PBUH)

Article QR

Dr. Aatika Zubair[1]

Article History

Received
26-07-2026

Accepted
29-08-2026

Published
25-09-2026

Abstract & Indexing

Abstract

Education plays a fundamental role in the intellectual, moral, social, and spiritual development of individuals and the progress of society. In Islam, education is not confined to the acquisition of knowledge; rather, it is a comprehensive process aimed at character building, ethical development, social responsibility, and the promotion of justice. The Sīrah of the Prophet Muhammad (PBUH) provides a practical and comprehensive model for establishing an educational system that integrates religious guidance with individual and collective welfare. This study examines the educational responsibilities of the state in the light of the Prophetic Sīrah, focusing on the principles, objectives, and institutional arrangements that contributed to the development of an enlightened and morally responsible society. It explores the role of the state in promoting access to education, disseminating knowledge, developing ethical values, training individuals for social responsibilities, and ensuring that educational opportunities contribute to the welfare of the wider community. Particular attention is given to the educational initiatives undertaken during the Prophetic era, including the establishment of the mosque as a centre of learning, the development of the Ṣuffah as an educational institution, the teaching of the Qur'an, and the training of individuals in religious and practical affairs. The study adopts a qualitative, descriptive, and analytical approach based on the Qur'an, authentic Hadith, and relevant literature on the Sīrah. It argues that the Prophetic model offers enduring principles for an educational system grounded in knowledge, character formation, equality, justice, and public welfare. The study concludes that incorporating these principles into contemporary educational policy can help develop a balanced system that addresses the intellectual, moral, and social needs of individuals while contributing to the sustainable progress of society.

Keywords:

Islam, State Educational System, Sīrah al-Nabawiyyah, Prophetic Leadership, Education and Learning, Tazkiyat al-Nafs, Islamic State, Moral Development, ʿAdl wa Inṣāf, Jahānbānī.

[1] *Research Scholar, NCDP, Lahore, Punjab, Pakistan.* aatizee8@gmail.com

All Rights Reserved © 2026 This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

تمہید

دین اسلام دیگر تمام الہامی اور غیر الہامی مذاہب کے برعکس نہایت وسعت کا حامل ہے کیونکہ یہ محض چند عبادات، عقائد، رسومات یا افکار کا مجموعہ نہیں بلکہ یہ ایک ایسا مضبوط، منظم اور جامع ضابطہ حیات کا داعی ہے جو ہر عہد میں تغیر پذیر احوال اور ارتقاء پذیر معاشرت سے پیدا ہونے والے مسائل کا واضح اور بہترین حل پیش کرتا ہے۔ انسان کو جو عوامل داخلی و خارجی، ذہنی و جسمانی اور قلبی و روحانی طور پر درپیش ہوتے ہیں ان کی تشفی اور تسکین کا سامان نظامِ اسلام احسن انداز میں مہیا کرتا ہے۔ یہ دین اسلام ہی کی خاصیت ہے کہ وہ انفرادی اور اجتماعی بہردو صورت عبادات، اخلاقیات، معاملات، معاشرت، سیاست، معیشت، تزکیہ نفس، تعلیم و تعلم، رواداری اور عدل و انصاف کے زریں اصول کو متعارف کرواتا ہے اور اس کی عملی ترویج وتنفیذ کے لئے مقاصد متعین کرتا ہے۔ الوہی رہنمائی اور پیغمبرانہ قیادت کے زیر سایہ بنی نوع انسان انہی اصولوں کو اپنا کر فرش خاک سے اوج ثریا تک پہنچتا ہے۔ بلاشک وشبہ یہ پیغمبرانہ تعلیمات ہی تھیں جن کی بدولت انسان پر ہدایت واطاعت کا راستہ روز روشن کی طرح عیاں ہوا، انسان کو اصول ہائے جہانبانی عطا ہوئے، استحکام سلطنت، حصول غلبہ، اور بقاء امن عطا ہوا، تعمیر اخلاق اور تعلیم کی ترویج ممکن ہوئی۔

یہ ایک ابدی حقیقت ہے کہ عظیم المرتبت ہستی، سرکار دوعالم، امام الانبیاء، سید الانبیاء، محسن انسانیت، معلم انسانیت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا اسوہ، تعلیمات اور علم و عمل کا ظہور دنیا کا سب سے عظیم الشان اور انقلاب آفریں سچا پیغام تھا جو اس روئے زمین پر آج تک پیش ہوا۔ معلم انسانیت ﷺ کی بعثت جزیرہ عرب میں انسانی تاریخ کا عظیم انقلاب اور پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ مدینہ منورہ میں پہلی اسلامی ریاست کی تشکیل عمل میں آئی اور دین اسلام کے مذہبی اور سماجی ڈھانچے کی عملی صورت کا آغاز ہوا۔ معلم انسانیت ﷺ نے عالم انسانیت کو اپنی عدیم المثال تدبر وسیاست اور وسیع بصیرت وصلاحیت کو بروئے کار لاتے ہوئے ممتاز ترین تہذیب وتمدن سے روشناس کروایا۔ اس عظیم الشان انقلاب کا آغاز "اقراء" یعنی پڑھنے سے ہوا۔ اس الوہی پیغام میں غالباً یہ راز بھی پوشیدہ تھا کہ اسلام کی کامیابی، ترقی اور فروغ کا انحصار تعلیم وتدریس، تحقیق وجستجو، انکشافات اور اکتشافات میں مضمر ہے۔ بعثت نبوی ﷺ سے قبل دنیا میں ہمیں کسی ملک یا قوم میں ایسی تعلیمی یا اصلاحی تحریک کا شائبہ نہیں ملتا جس کا آغاز "اقراء" سے ہوا ہو۔ انسانیت کی تاریخ میں پہلی مرتبہ علم کی فضیلت وفوقیت اور اس کی عمومیت کی ایسی داغ بیل ڈالی کہ علم اور تحصیل علم پر نہ صرف اجارہ داری ختم کر دی بلکہ ہر شخص، امیر وغریب، عام وخاص، آزاد وغلام، مرد وعورت کی ضرورت اور بنیادی حق بن کر سامنے آیا۔ یہ حقیقتاً وہ واحد دین ہے جس نے تعلیم کو ہر انسان کی نہ صرف بنیادی ضرورت قرار دیا ہے بلکہ علم اور ضروریات علم اور اس کو فضیلت کا آشکار اور اس کے حصول کا باقاعدہ اہتمام کیا ہے۔ جبکہ اس سے پہلے عرب معاشرہ علم کی مبادیات سے بھی نابلد تھا۔ چنانچہ قاضی سلمان منصور پوریؒ نے اس وقت کی تعلیمی حالت بیان کی ہے کہ عربوں کے ہاں تعلیم وتعلم کا رواج ہی نہ تھا بلکہ وہ اپنے ناخواندہ ہونے کی حالت پر نازاں رہتے تھے۔[1]

معلم انسانیت ﷺ کی بعثت نے عرب کو ایسے بدل دیا گویا کہ کبھی اس پر جہالت کا اندھیرا چھایا ہی نہ تھا۔ انسانی تاریخ میں کئی نامور شخصیات آئیں مگر جملہ انسانیت کی فوز وفلاح اور ہمہ گیر تعمیر انسانیت کے لئے تاریخِ انسانی سوائے رسول اللہ ﷺ کے کوئی ایسی مثال پیش کرنے

سے قاصر ہے جس کی عملی زندگی جملہ پہلوؤں کا احاطہ کئے ہوئے نوع انسان کی سعادت و فلاح اور ہدایت کی ضامن ہو۔ سید سلیمان ندویؒ رقمطراز ہیں:

”دنیا کی تاریخ نامور شخصیات سے بھری پڑی ہے۔ اس دنیا میں بہت سے نامور لوگ آئے جنہوں نے پر شکوہ حکومتیں بھی کیں، حکماء اور فلاسفہ بھی وارد ہوئے، فاتحین عالم اور بڑے بڑے سپہ سالار اس دنیا میں اپنا دبدبہ چھوڑ کر گئے، دولت مندوں اور خزانوں کے مالکوں کی داستانیں جابجا بکھری نظر آتی ہیں۔ نمرود سے لے کر فرعون تک، سکندر سے لے کر داراشکوہ تک سب نے اپنی سلطنتوں کے ڈنکے بجائے۔ دنیا کے اس خطے میں کیسے کیسے لوگ نمودار ہوئے مگر ان مختلف اصنافِ انسانی میں سے کس کی زندگی نوع انساں کی سعادت، فلاح وہدایت کی ضامن اور کفیل اور اس کے لئے قابل تقلید نمونہ ہے؟“[2]

دین اسلام کی یہی خاصیت ہے کہ اسے رسول اللہ ﷺ جیسی قیادت و سیادت میسر آئی۔ دین اسلام سارے کا سارا محمد رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کچھ نہیں۔ عقائد ہوں یا عبادات، اخلاق ہوں یا آداب مدنیت، داخلی معاملات ہوں یا خارجی معاملات، خانگی معاملات ہوں یا معاشی مسائل ہوں، تعلیم و تدریس ہو یا تربیت کا معاملہ ہو، انسانوں کے ساتھ معاملہ درپیش ہو یا خالق کے ساتھ تعلق کی بات ہو۔ سب کا ماخذ رسول اللہ ﷺ کی ہمہ گیر تعلیمات ہیں اس کے سوا کچھ نہیں۔

1. اسلام اور تعلیم کا باہمی ربط

اسلام عِلم اور فروغ عِلم کا سب سے بڑا عَلم بردار اور داعی ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے تعلیم ایک کلی عمل ہے جو انسان کو اپنی ذات، معاشرے، کائنات، خالق اور ان کے احکامات کی پہچان کراتی ہے۔ اسی تعلیم کی بنیاد پر تربیت اس نہج پر ہوتی ہے جس سے ان کا انداز فکر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے انسانیت اور انسانی معاشرے کے لئے تعمیری ہوتا ہے۔ اسی لئے علم اور علماء کی فضیلتیں بے شمار بیان کی گئی ہیں۔ چنانچہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ[3]

ترجمہ: تم میں سے جو ایمان لائے اور جنہیں علم دیا گیا اللہ ان کے درجات بلند کرے گا۔

حضرت ابن عباس اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ علماء کو عام مسلمانوں پر ان کے علم کی بدولت سات سو درجہ زیادہ فضیلت دی گئی ہے۔[4] علم اور اہل علم کی فضیلت پر ایک حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

خرج رسول الله ﷺ ذات يوم من بعض حجره، فدخل المسجد، فاذا هو بحلقتين۔ الخ[5]

”ایک روز رسول اللہ ﷺ اپنے حجرہ سے باہر تشریف لائے تو مسجد میں دو حلقے دیکھے۔ ایک حلقہ کے لوگ تلاوت ودعا میں مصروف تھے اور دوسرے حلقے کے لوگ تعلیم و تدریس میں، آپ ﷺ نے دونوں کی تحسین فرمائی اور فرمایا کہ دونوں بھلائی پر ہیں۔ یہ لوگ قرآن پڑھتے ہیں اور اللہ سے دعا مانگتے ہیں اگر چاہے تو ان کو عطا فرمائے اور اگر چاہے تو روک

لے اور یہ لوگ سیکھتے سکھاتے ہیں پھر آپ ﷺ یہ فرماتے ہوئے کہ "میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں" حلقہ ءدرس و تعلیم میں جا کر بیٹھ گئے"

علم اور علماء کے لئے فضیلت کے باب میں مندرجہ بالا یہ ایک روایت اس پورے قضیے کے لئے کافی ہے۔

اسلام میں تعلیم کو عبادت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چنانچہ قاضی ابو یوسفؒ فرماتے ہیں:

"لوگو! اپنے علم سے صرف اللہ تعالی کی خوشنودی حاصل کرنے کی نیت رکھو۔ میں جب بھی کسی مجلس میں اس نیت سے بیٹھا کہ خاکسار اور متواضع رہوں گا تو ہمیشہ اس مجلس سے سربلند ہو کر اٹھا اور جب کبھی میری نیت میں فتور آیا اور ہم رفیقوں میں سربلند ہونے کا تصور دل میں آیا تو مجھے اس مجلس میں رسوا ہو کر اٹھنا پڑا، علم بھی عبادتوں میں سے ایک عبادت ہے۔"[6]

یعنی جس طرح عبادت میں ریاکاری اس ساری عبادت کو ضائع کر دیتی ہے اور اسکا کچھ فائدہ حاصل نہیں ہوتا بالکل ایسے ہی علم بھی عبادت کی طرح ہے اگر اس کے بارے میں دل میں تکبر پیدا ہو جائے یا علم کی وجہ سے دل میں کسی بڑائی کا خیال آئے تو رسوائی ہی رسوائی ہے۔ اس لئے علم میں ریاکاری سے بھی بچنا چاہیے۔

مندرجہ بالا روایات و آثار سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچی کہ دین اسلام تعلیم و تعلم کی اہمیت کو نہ صرف تسلیم کرتا ہے بلکہ اس کی افادیت اور ترویج کے لئے ذرائع اختیار کرنے کی بھرپور تلقین کرتا اور اس کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر ضیاء الدین احمد لکھتے ہیں:

"اسلامی تہذیب و تمدن میں علوم و معارف کا درجہ بہت بلند ہے۔ قرآن مجید اور احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ہر مسلمان کو تعلیم کے لئے کوشاں رہنا چاہیے۔ اس ضمن میں سب سے پہلے جو نکتہ انسانی فکر کے سامنے آیا وہ یہ ہے کہ کون سا علم سب سے پہلے حاصل کرنا چاہیئے؟ بڑے بڑے فقہاء اور علماء اس بات پر متفق ہیں کہ فرض عین کے تحت علوم مثلاً دینی علوم اور شرعی علوم کا جاننا بہت ضروری ہے کیونکہ یہ اپنی نوعیت میں اکمل ہیں اور سچائی کے سمجھنے میں مددگار ہیں۔ ان علوم سے فارغ التحصیل طلباء کا تفکر بھی اسلامی ہو گا اور معاشرہ کے استحکام کے لئے ان کی کوششیں ہمیشہ تعمیری ہوں گی۔ ان کے ذہن میں حلال و حرام کی تمیز ہو گی اور روزمرہ زندگی میں ان قواعد وضوابط کو اپنائیں گے جس کا حامل قرآن ہے۔"[7]

دین اسلام میں ہر مسلمان بلا تفریق مرد و عورت کے لئے حصول تعلیم کا حکم ہے۔ فرض عین علم سے مراد وہ علم ہے جس کے بغیر شرعی تقاضوں کو پورا کرنا اور عبادات کا بجالانا ممکن نہیں۔ اسی لئے شریعت کا تقاضا ہے کہ دین اسلام کا کم از کم یہ علم لازمی حاصل کیا جائے تاکہ اسے معرفت الہی اور عبادت الہی کا فریضہ بجالانے کے لئے کسی دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

2. ریاست کا معنیٰ مفہوم اور نظام تعلیم

ریاست در حقیقت عربی زبان کا لفظ ہے جو کہ اردو میں بھی بکثرت مستعمل ہے۔ اس کا اصل مادہ "روس" ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ " روس الرجل رئاسة "، یعنی قوم کا سردار بننا اور الرئاسۃ کا معنیٰ حکومت و قیادت کے آتے ہیں۔[8] جبکہ

ریاست کو انگریزی زبان میں State کہا جاتا ہے یہ لفظ یونانی زبان Status سے ماخوذ ہے[9] اور قانون کی زبان میں State Affairs کا مطلب امور مملکت یا ملکی معاملات ہے۔[10]

معلم انسانیت حضرت محمد ﷺ نے ہجرت مدینہ کے بعد سب سے پہلے جن کاموں کا آغاز فرمایا اُن میں سر فہرست "ریاست" کا قیام عمل میں لانا تھا۔ کسی بھی عمل کو وسیع پیمانے پر نافذ کرنے اور اس کی ترویج وتنفیذ کے لئے ضروری ہے کہ ایک ریاست وجود میں آجائے جو عوام الناس کے لئے قوانین کا نفاذ ممکن بنائے اور انہیں ایک ایسے نظام کے تابع کرے جو معاشرے کا نظم ونسق چلانے میں مددگار ثابت ہوسکے۔ چنانچہ ابن خلدونؒ کے نزدیک صحابہ کرام اور تابعین عظام کا اس بات پر اجماع ہے کہ مسلمانوں میں کسی ایک شخص کو امام، قائد، یا الملک یعنی بادشاہ مقرر کرنا واجب ہے۔[11] ریاست کے پاس ریاستی امور کی تنفیذ ایک امانت ہوتی ہے جس سے ریاست اپنے باشندوں کی جان ومال، عزت وآبرو، تعلیم وتدریس، ذریعہ معاش کی فراہمی اور عدل وانصاف کی محافظ ہوتی ہے۔ معاشرتی طور پر انہیں دوسری قوموں سے ممتاز کرنے کی سعی کرتی ہے اور حالات زندگی کو بہتر سے بہتر بنانے اور انہیں بنیادی ضروریات زندگی فراہم کرنے کی ضامن ہوتی ہے۔ چنانچہ امام غزالی کے ہاں ریاست کی بنیادی ذمہ داریوں میں غذا، لباس، مکان، تعلیم وتدریس اور باہمی تعلق ومعاملہ کو انسانی بنیادی ضرورت قرار دیا ہے۔[12] یعنی ریاست کے فرائض میں سے ہے کہ وہ عوام کی رسائی بنیادی انسانی حقوق اور عدل وانصاف کی ضمانت دے تاکہ کسی کی حق تلفی نہ ہو اور ریاست اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ براء ہوسکے۔

3. ریاست کا نظام تعلیم۔۔۔نقائص اور اقدامات

تمام قدیم اور جدید مفکرین اس بات پر متفق ہیں کہ بنیادی تعلیم کی فراہمی ریاست کے اہم ذمہ داریوں میں سے ہے۔ تعلیم یافتہ اقوام اپنی ریاست کے لئے مضبوطی اور ترقی کا باعث بنتی ہیں جبکہ ناخواندگی ریاست کے لئے ناقابل تلافی نقصان کا ذریعہ بنتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو قومیں تعلیم وتربیت کے نتیجے میں پروان چڑھتی ہیں وہ دوسری قوموں سے بہت بلند اور ان کے اخلاقی معیار بہت اعلیٰ ہوتے ہیں۔ ذیل میں چند نقائص کا ذکر کیا جانا ضروری ہے جس سے معلوم ہوگا کہ ریاست کے نظام تعلیم اکثر ناکام کیوں ہوتے ہیں؟ نقائص کا معلوم ہو تو اس کے سدباب کا اندازہ لگانا آسان ہو جاتا ہے۔

3.1 تعلیم ایک تجارتی پیشہ

ریاست کا نظام تعلیم ناکام تب ہوتا ہے جب تعلیم کو باقاعدہ ایک پیشہ بنا کر دوسروں کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ تعلیم ایک باقاعدہ نفع مند تجارت بن جاتی ہے۔ حکومتی توجہ ہٹ جانے کے باعث تعلیمی ادارے اپنی من مانی کرنے لگتے ہیں۔ ڈگریاں پیسوں کے بل بوتے پر جاری کی جاتی ہیں جس سے تعلیم کا حرج دوچند ہو جاتا ہے۔ نفع اندوزی کی یہ روش ترجیحات بدل دیتی ہے۔ جس سے ریاست کے مفادات کو زک پہنچتی ہے۔ نااہل لوگ عہدوں پر براجمان ہو جاتے ہیں جس سے معاشرہ زوال پذیر ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی رقمطراز ہیں:

”جس طرح لوگ تجارت میں سرمایہ کاری کیا کرتے تھے اور نفع کے امیدوار رہتے تھے اس طرح لوگ تعلیم کے میدان میں سرمایہ کاری کرتے ہیں اور پھر نفع کے امیدوار رہتے ہیں۔ مسلم ممالک میں خاص طور پر تعلیم اور صحت کے معاملے میں فیس لینا یا معاوضہ طلب کرنا ایک گھناؤنا جرم سمجھا جاتا تھا وہاں بھی یہ وبا پورے زور وشور سے جاری وساری ہے۔“[13]

یہی وجہ ہے کہ جہاں تعلیم باقاعدہ پیشہ بن چکی ہے وہاں استاد شاگرد کا روحانی رشتہ ختم ہو کر رہ گیا ہے۔ یہ ایک روحانی باپ بیٹے کا تعلق نہیں بلکہ ایک دوکاندار اور خریدار کے تعلق میں بدل چکا ہے۔ جس کی وجہ سے معاشرہ مزید تقسیم در تقسیم ہو کر رہ جاتا ہے۔

3.2. غیر معیاری تعلیمی اداروں کی بہتات

ریاست کے نظام تعلیم کے نقائص میں ایک بڑا سبب غیر معیاری تعلیمی اداروں کا قیام ہے۔ ریاستی پالیسی کو درخور اعتناء سمجھتے ہوئے غیر معیاری تعلیمی ادارے وجود میں آجاتے ہیں جو معاشرے کو طبقاتی تقسیم میں مبتلا کر دیتے ہیں جس سے ریاست کا تعلیمی ڈھانچہ تباہ ہو کر رہ جاتا ہے اور معاشرے میں نفرت، تفرقہ بازی، بے مقصدیت، بے راہ روی اور علیحدگی کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ ان غیر معیاری تعلیمی اداروں کا مقصد حقیقی تجارت ہوتا ہے۔ اسی لئے یہ اپنے ہاں ایسا کلچر متعارف کرواتے ہیں جو عام حالات میں ریاست کی پالیسی سے میل نہیں کھاتا۔

3.3. استاد کی ناقدری

جب ریاست کا اجتماعی رویہ تعلیم کی بجائے دیگر مفادات کی نظر ہو جائے تو پھر استاد کا معاشرتی وقار اور رتبہ بھی ختم ہو کر رہ جاتا ہے۔ لوگ استاد بننے کو ترجیح نہیں دیتے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے ماحول میں شاگرد بھی استاد کو وہ مقام نہیں دیتے جو انہیں دینا چاہیے۔ وہ اپنے استاد کو اپنا آئیڈیل نہیں سمجھتے بلکہ وہ بس اسے ملازم کا درجہ دیتے ہیں جو انہیں پڑھا کر اپنی ڈیوٹی پوری کر رہا ہے۔ تعلیم کی افادیت ہی تب ہے جب استاد اور شاگرد کا آپسی رشتہ روحانی باپ بیٹے کی مانند ہو۔

3.4. ناکافی تعلیمی بجٹ

ترقی یافتہ اقوام اپنے تعلیمی بجٹ پر خاص دھیان دیتی ہیں۔ تعلیمی بجٹ کی کمی کی وجہ سے تعلیمی اداروں کا بے حد نقصان ہوتا ہے۔ تعلیمی اداروں میں سہولیات کی کمی، فیسوں میں بے انتہاء اضافہ اور دوسرے مسائل جنم لیتے ہیں۔ جدید اعلیٰ تعلیم کے لئے تجربہ گاہیں ناپید ہوتی ہیں۔ اس ناکافی بجٹ میں کئی ذہین طلباء بیرون ملک اسکالرشپ حاصل کرنے میں ناکام رہ جاتے ہیں۔

3.5. محدود اعلیٰ فنی اور سائنسی تعلیم

ریاست کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے ہاں اعلیٰ نظام تعلیم کا نفاذ کرے۔ فنی تربیت گاہوں کی طرف توجہ مبذول کرے اور اسے ہر فرد کے لئے حصول ممکن بنائے۔ عام طور پر دیکھا یہ گیا ہے کہ مخصوص طبقہ ایسی تعلیم کو حاصل کر سکتا ہے جو عام طبقہ ہے وہ اس سے محروم ہی رہ جاتا ہے۔ ریاست اعلیٰ سائنسی تعلیم کو محدود یا اسے کسی خاص طبقے کے لئے مخصوص نہ کرے اور نہ اسے اس قدر مہنگا کر دیا جائے جو عام افراد کی

دسترس ہی سے باہر ہو جائے۔ ریاست کے لئے ڈاکٹر، انجینئر، سائنسدان کسی قوم کی ترقی اور خوشحالی میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں اس لئے اعلیٰ سائنسی تعلیم کو عام کرنا ایک ریاست کی بنیادی ذمہ داری ہے۔

3.6. نصابِ تعلیم کی ناقصیت

ریاست کے تعلیمی نظام میں خرابی کی جڑ وہ نصاب تعلیم ہے جو امت مسلمہ اور ملت واحدۃ کو تقویت دینے کی بجائے ان میں تفرقہ پیدا کرے یا ایسے عناصر کو جنم دے جو معاشرے میں طبقاتی تقسیم کا باعث بن رہے ہیں۔ تعلیم میں بیرونی مداخلت اور لایعنی فکری یلغار ایک معاشرے کے تہذیب اور ثقافت کے لئے خطرہ ہو سکتی ہے۔ اس لئے کسی بھی نظام تعلیم میں نصاب کا کردار مسلّم ہے۔ نصاب ایسی جامعیت کا حامل ہو جو ریاست کے تمام باشندوں کے لئے قابل قبول اور انہیں ملت واحدۃ بنانے کی رہنمائی کرے۔ اس میں کسی قسم کا کوئی تعصب کارفرمانہ ہو۔

3.7. تعلیم کا مقصد حصول روزگار

بے ہنگم اور بے مصرف علم کی نشر واشاعت کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تعلیم کا واحد مقصد روزگار کا حصول بن جاتا ہے۔ اس واحد مقصد سے ہٹ کر نوجوانوں کے ذہن میں کوئی اور بات نہیں رہتی کہ تعلیم حاصل کرنے کا اصل مقصد کیا ہے؟ تعلیم ان سے کیا تقاضا کرتی ہے اور تعلیم کا بنیادی مقصد کیا ہے؟ یہ ایک ریاست کی تعلیمی نظام کے بڑے نقائص میں سے ایک ہے۔

مندرجہ بالا نقائص کے علاوہ اور بھی عوامل ہیں جو ریاست کے تعلیمی نظام کے لئے قابل قبول نہیں جیسا کہ باصلاحیت افراد کی ناقدری اور بے توقیری، بے روزگاری اور مہنگائی جیسے عوامل شامل ہیں۔ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان نقائص کو سامنے رکھ کر سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں ان اقدامات کا جائزہ لیا جائے جس سے ان نقائص کا سدباب کیا جانا ممکن ہو سکے۔

4. ریاست کا تعلیمی نظام اور اصلاحی اقدامات: سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ درج بالا نقائص کو سامنے رکھتے ہوئے ریاست کی تعلیمی پالیسی کیا ہونی چاہیے؟ ایک ریاست اگر ان خرابیوں کا ازالہ کرنا چاہے یا بغرض اصلاح ان نقائص کو رفع کرنا چاہے تو اسے کن اقدامات کی ضرورت ہو گی؟ اس کے بارے میں سب سے اعلیٰ وارفع اصول اور نمونہ ہمارے پاس سیرت النبی ﷺ کی صورت موجود ہیں۔ ذیل میں ایسے پہلوؤں کو درج بالا عنوانات کے تحت ذکر کیا جاسکتا ہے:

- مقاصدِ تعلیم
- اہدافِ تعلیم
- نصابِ تعلیم
- ذرائع تعلیم
- طریقہ تعلیم

4.1 مقاصد تعلیم

ریاستی تعلیمی نظام کی پہلی اکائی یہ کہ ریاست کا مقصدِ تعلیم واضح ہونا چاہیے۔ تعلیم کا اجمالی طور پر بنیادی مقصد اسلام کے نقطہ نظر سے یہ ہے کہ انسان اپنے خالق حقیقی کو پہچانے، اس کی نعمتوں کا شکر گزار ہو اور صالح انسان بن کر ایک مہذب معاشرہ کی تشکیل میں اپنا کردار ادا کرے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا [14]

ترجمہ: اور ہم نے آپ کو خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

آیت کریم کی روشنی میں اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ اسلامی تعلیمات کا اصل موضوع درحقیقت انسانیت کی اصلاح اور فلاح ہے۔

- **مقصد اول:**

سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں تعلیم کا پہلا مقصد یہ ہے کہ "معرفت الٰہی اور رضائے الٰہی کا حصول" ممکن ہو۔ یعنی انسان اور خدا کے درمیان اس تعلق کو استوار کرنا ہے جس کے نتیجے میں انسانی بخوشی اپنی حیات کے تمام امور میں حکم خداوندی پر عمل پیرا رہنے کا عزم کرتا ہے اور رضائے الٰہی کو اپنی پسند وناپسند کا معیار ٹھہراتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْيَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ [15]

ترجمہ: (اے محمدؐ) کہہ دیجئے! میری نماز، میرے تمام مراسم عبودیت، میرا جینا اور میرا مرنا سب کچھ تمام جہانوں کے پالنہار کے لئے ہے۔

معرفت الٰہی کے حصول کے لئے لازم ہے کہ "عبادت الٰہی" کو اختیار کیا جائے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں وارد ہوا" وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ"[16] اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لئے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔ اس آیت کے روسے انسانی تخلیق کا مقصد عبادت الٰہی کو قرار دیا گیا ہے۔ عبادت الٰہی کا مطلب اطاعت خداوندی ہے کہ جس خالق نے بندے کو عقل و دانش سے نوازا اور اچھے برے کی تمیز کی تعلیم دی اس کی عبادت کی جائے اور اس کی تعظیم اور بجا آوری میں سر تسلیم خم کیا جائے۔ عبادت الٰہی انسان میں "خشیت الٰہی" کی صفت پیدا کرتی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی عظمت کبریائی کو تسلیم کرنا تاکہ انسان کے دل سے ہمیشہ یہ احساس موجود رہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے جو علم عطا کیا ہے وہ اس علم کو ہمیشہ انسانیت کی بھلائی کے لئے استعمال کرے گا اور اس کے متعلق خیانت نہ کرے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق، سمیع و بصیر اور دلوں کے پوشیدہ حالوں کو جاننے والا ہے۔[17] اسی کے پیش نظر یہ بات مد نظر رکھنی چاہیے کہ بندہ اپنے خالق کی تعلیمات کے برخلاف کوئی تصرف نہ کر لے اور اس سے اس کے بندوں کے معاملے میں ڈرتا رہے۔ معرفت الٰہی کا اعلیٰ مقام "احسان مندی اور شکر گزاری" ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے فَاذْكُرُوْنِیْ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِیْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ[18] پس تم مجھے یاد کیا کرو میں تمہیں یاد کروں گا اور میرا احسان مانتے رہنا اور ناشکری نہ کرنا۔ انسان ہر لحظہ اپنے رب کا شکر گزار بندہ بن کر رہے اور اس کا احسان مند رہے کہ اس نے علم کے زیور سے آراستہ کیا اور اسے انفرادی و اجتماعی

زندگی میں بے شمار نعمتوں سے نوازا۔ شکر گزاری اور احسان مندی کا تاثر انسان کو تکبر سے باز رکھتا ہے اور اسے صالح انسان بنا کر معاشرے میں عزت کا بلند مقام عطا ہوتا ہے۔

- **مقصد ثانی:**

تعلیم کا دوسرا بڑا مقصد "تعمیر انسانیت و فلاح انسانیت" ہے۔ دین اسلام ایسا دین ہے جو لوگوں کی تربیت کرتا ہے اور ان کے درمیان قومی، لسانی، اور نسلی امتیازات کا خاتمہ کرتا ہے۔ چنانچہ اسے لئے کہا گیا کَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً [19] سب لوگ ایک ہی دین پر تھے۔ کسی کو کسی پر برتری حاصل نہیں رہی سوائے تقوی کے۔ چنانچہ تمام امتیازات کے بت توڑ دیئے گئے اور اسلامی تعلیمات کا مقصد انسانیت کی تعمیر نو کی تشکیل قرار دیا گیا جس سے مخلوق کے درمیان محبت و شفقت اور دوسروں سے رواداری جیسے اعلیٰ اخلاق اور صفات پیدا ہوں۔ تاکہ پوری انسانیت مل کر ایک ایسے معاشرے کی تشکیل کر سکے جو ہر لحاظ سے پر امن بقائے باہمی کے اصول کو اپنا کر ایک خوشحال زندگی گزار سکے۔

4.2. اہداف تعلیم

ریاست کے تعلیمی نظام کے لئے ضروری اقدامات میں لازم ہے کہ تعلیم کے اہداف کا تعین کیا جائے۔ سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں درج ذیل اہداف تعلیم طے کئے جا سکتے ہیں:

- **فرد کی اصلاح اور تربیت**

دین اسلام فرد اور ریاست کے مابین ایک تعلق کو قائم کرتا ہے۔ ریاست افراد کے مشترک مقاصد کے حصول کی منظم شکل اور عملی جدوجہد کا نام ہے اس لیے اس باب میں بھی فرد اور ریاست و حکومت کے مابین ایک متوازن اور متناسب تعلق قائم کیا گیا ہے۔ چنانچہ جہاں ایک ریاست فرد کی تعلیم و تربیت کی ضامن ہے اور اس کو ریاست کی جانب سے تمام بنیادی حقوق مہیا کئے گئے ہیں تو دوسری جانب فرد کو ایسے ضابطہ اخلاق میں جکڑا گیا ہے کہ وہ صالح قیادت کا فرمانبردار رہ کسی بھی قسم کی بغاوت اور سرکشی سے باز رہے۔ ریاست کے تعلیمی نظام میں فرد کی اصلاح اور تربیت بہت اہمیت کی حامل ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرد کی اصلاح اور تربیت کے لئے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو تعلیم و تبلیغ کے لئے مدینہ منورہ بھیجا تا کہ وہاں جا کر رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کو عام کریں۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ کی موثر واعظوں کی بدولت مدینہ منورہ کے اکثر گھرانے رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کے گرویدہ ہو گئے تھے۔ [20]

- **تعلیم کے مواقع فراہم کر کے ناخواندگی کا خاتمہ کرنا اور خواتین کی تعلیم**

ایک ریاست کی بنیادی ذمہ داری ہے کہ وہ ریاست کے ہر فرد کو تعلیم سے آراستہ کرے چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ریاست مدینہ کے دیگر شعبے قائم کرنے سے پہلے "صفہ" کی بنیاد رکھی۔ یہ ایک درس گاہ تھی جو مسجد نبوی ﷺ میں قائم کی گئی۔ یہاں درس و تدریس کا سلسلہ صبح و شام جاری و ساری رہتا تھا۔ افراد یہاں تعلیم حاصل کرتے اور ان کے طعام و قیام کی ذمہ داری ریاست کی ہوتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ صفہ میں تعلیم دیا کرتے تھے اور آپ ﷺ کی غیر موجودگی میں دیگر صحابہ جیسے حضرت عبد اللہ ابن رواحہؓ تدریس کے فرائض سرانجام دیا کرتے تھے۔ [21] معلم انسانیت ﷺ نے اسلام کے پہلے تعلیمی نظام کا سنگ بنیاد "صفہ" میں رکھ دیا تھا۔ اس کے بعد یہ سلسلہ بڑھتا چلا گیا۔ چنانچہ جب مدینہ منورہ کی

آبادی بڑھنے لگی تو رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کے اطراف میں 9 (نو) مزید درسگاہوں کا اضافہ کیا جہاں درس و تدریس کا سلسلہ برابر چلتا رہا۔ تاکہ ایک ہی درس گاہ پر زیادہ بوجھ نہ پڑے اور لوگوں کو تعلیم حاصل کرنے کے لئے زیادہ دور نہ جانا پڑے اور تعلیم ان کے گھر کی دہلیز پر ہی مہیا کی جا سکے۔[22] ناخواندگی ختم کرنے کے لئے ایک انقلاب آفرین کام یہ کیا گیا کہ جب کفار کو بدر کے میدان میں شکست ہوئی اور ان کے ستر کے لگ بھگ بڑے نامی گرامی لوگ گرفتار کر کے مدینہ منورہ لائے گئے تو جو قیدی نادار تھے مگر پڑھنا لکھنا جانتے تھے ان کی رہائی کا فدیہ یہ مقرر کیا گیا کہ وہ دس انصاری بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھادیں تو انہیں رہائی مل جائے گی۔ گویا کہ لکھنا پڑھنا سکھانا ان کا زرِ فدیہ ہوگا۔[23]

فرد کی اصلاح اور تربیت میں خواتین کی تعلیم بھی شامل ہے۔ قرآن و سنت کی روشنی میں علم کی فضیلت کا پچھلی سطور میں ذکر ہو چکا ہے. جس کا اطلاق بلا امتیاز جنس ہر مسلمان مرد اور عورت پر ہوتا ہے۔ خواتین کی تعلیم کے بارے میں عہد نبوی ﷺ میں اس امر کا کہاں تک اہتمام کیا گیا اس سلسلے میں یہ کہنا کافی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی روزمرہ زندگی میں اسلامی تعلیمات کا جو سلسلہ رائج تھا۔ اس سے خواتین بھی برابر استفادہ کر رہی تھیں۔[24] رسول اللہ ﷺ کی مجالس میں اور خصوصاً گھر میں عورتیں خدمت میں حاضر ہو کر غیر رسمی طور پر رشد و ہدایت پاتی تھیں۔ عورتوں کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کا اپنا معمول یہ تھا کہ ہفتے میں ایک دن عورتوں کے خصوصی مجمع میں تشریف لے جاتے اور اُن کو تعلیم دیتے اور ان کے سوالات کے جواب دیتے تھے۔ عورتوں کی مخصوص عائلی تعلیم کا ذریعہ امہات المومنین تھیں اور ان میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ جن کو رسول اللہ ﷺ سے انتہائی قرب حاصل تھا۔ اس قرب اور اپنی خداداد ذہانت و صلاحیت کی وجہ سے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو فقہ اور دیگر اسلامی علوم نیز ادب، شاعری اور طب میں بڑا ملکہ حاصل ہو گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور اکرم نے فرمایا کہ آدھا علم عائشہ سے حاصل کرو۔ گویا اسلام میں آپ پہلی معلمہ تھیں۔[25] ازواج مطہرات میں حضرت حفصہ لکھنا پڑھنا جانتی تھیں۔ حضرت حفصہ نے یہ فن خاص رسول اللہ ﷺ کے حکم سے شفاء بنت عبد اللہ سے سیکھا تھا۔ مسلمان عورتوں کی تعلیم میں حضرت ام المومنین حضرت عائشہ کا ایک خاص مقام ہے۔ خواتین کی تعلیم کے سلسلے میں حضرت عائشہ کے حجرے کو ایک مدرسہ کی حیثیت حاصل تھی۔

- **معاشرتی اور معاشی لحاظ سے افرادکار کی تیاری**

ترقی کی خواہشمند ریاست کے تعلیمی نظام کے اہداف میں یہ لازم ہے کہ اسے جس طرح کے افرادکار کی ضرورت ہے وہ تعلیم کے ذریعے انہیں تیار کرے۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارک میں مسجد نبوی میں مذہبی تعلیم کے ساتھ دوسرے فنون بھی سکھائے جاتے تھے جن کی اس وقت اشد ضرورت تھی چنانچہ دیگر شعبہ ہائے زندگی میں مہارت رکھنے والے صحابہ کرام بھی موجود تھے۔ علامہ کتانیؒ نے ایسے شعبوں کی ایک مکمل فہرست دی ہے جن کی تعلیم اسوقت مدینہ منورہ میں دی جاتی ہے۔ ان شعبوں میں فلکیات، تیر اندازی، طب، قیافہ اور تجارت شامل تھی۔[26] چنانچہ ریاست کے لئے ایسے تربیت یافتہ افراد کی تیاری جو زراعت، چھوٹی صنعتوں اور فیکٹریوں میں کار آمد ہوں یا اجتماعی اور انسانی علوم کی تشکیل نو اور تدوین نو کے لئے ماہرین کی فراہمی کا ہدف حاصل کرنا ہو یا سائنس و ٹیکنالوجی کے ماہرین کی تیاری اور ان کو جدید علوم سے آراستہ کرنا ہدف میں شامل کرنا ہو تو تعلیم کے اہداف اس طرح متعین کئے جا سکتے ہیں۔

4.3. ذرائع تعلیم

ریاست کے تعلیمی نظام میں "ذرائع تعلیم" کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ ذرائع تعلیم سے مراد استاد، کتاب، ذرائع ابلاغ وغیرہ ہیں۔ یعنی علم کے حصول کا وہ ذریعہ جس کے بدولت علم ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتا ہے۔ سیرت النبی ﷺ میں اس سلسلے میں ہمیں بہترین رہنمائی ملتی ہے۔

- **استاد کا کردار**

ذرائع تعلیم میں "استاد" کا کردار کلیدی حیثیت کا حامل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے لئے "معلم" کا لفظ پسند فرمایا[27] مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے نائب کی حیثیت سے حضرت مصعب بن عمیرؓ جیسے زبردست داعی اسلام کو مقرر فرمایا کہ وہ لوگوں کو جاکر اسلامی تعلیمات سے آراستہ کریں۔ مکہ مکرمہ میں رسول اللہ ﷺ کے نائب حضرت ابو بکر صدیقؓ تھے جو آپ ﷺ کے طرف سے لوگوں کو اسلام کی تعلیمات دیتے تھے۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ، حضرت زبیر، وغیرہ جلیل القدر صحابی آپ ہی کی کوششوں سے مسلمان ہوئے۔ یہ دونوں حضرات رسول اللہ ﷺ کی طرف سے مقرر کردہ معلم تھے۔[28]

استاد اعلیٰ تہذیب و اخلاق کا نمونہ اور ایک آئیڈیل شخصیت ہو۔ استاد کو مقرر کرتے ہوئے اس کی صلاحیتوں کا مکمل جائزہ لیا جائے۔ استاد کو اس کے فرائض منصبی سے آگاہی، تعلیم کا مناسب طریقہ کار، معلم کی بنیادی باتوں کا کماحقہ علم ہونا ضروری ہے۔

اسلامی دور تعلیم میں استاد اور شاگردوں کے تعلقات خالص روحانی بنیادوں پر قائم تھے، استاد روحانی باپ اور شاگردان کے روحانی بیٹے تھے، چنانچہ ان دونوں کے باہمی تعلقات اور مراسم میں سب سے زیادہ یہی رشتہ نمایاں ہے، وہ ان کے اخلاق اور سیرت کے کامل نگہبان تھے، جس موقع پہ شفقت و محبت کی ضرورت ہوتی، شفقت سے پیش آتے، جہاں تنبیہ و تادیب کا موقع ہوتا، تنبیہ کرتے تھے، اشاروں و کنایوں میں نصیحت کارگر ہوتی، تو اشاروں سے کام لیتے اور تصریح سے روکنے کی ضرورت ہوتی، تو صاف گوئی سے کام لے کر روک دیتے، اساتذہ کے سامنے شاگردوں کی آئندہ زندگی کا سوال مستقل طور پر رہتا اور اسی کے مطابق وہ ان کی تعلیم و تربیت کرتے تھے۔ بلکہ اساتذہ کا دستور سا مقرر ہو گیا تھا کہ ہر طالبعلم کو چند وصیتیں اس کے حسب حال لکھ کر اس کے سپرد کرتے تھے، جنہیں شاگرد اپنی آئندہ زندگی میں مشعل راہ بناتے تھے، چنانچہ مختلف ائمہ اسلام کی وصیتیں سیرت کی کتب میں محفوظ ہیں۔[29]

تعلیم و تدریس ایک بہت نازک پیشہ ہے اس میں خیانت کسی صورت قابل برداشت نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ جب کسی کو تعلیم تدریس کے لئے متعین فرماتے تو اس کی نگرانی آپ ﷺ شخصی طور پر فرماتے تھے۔ دور دراز کے علاقوں میں عمال کی تقرری کے وقت تعلیم و تدریس کے سلسلے میں خصوصی ہدایات جاری فرماتے تھے۔ یمن کے گورنر عمرو بن حزم کے نام جو طویل تقرر نامہ رسول اللہ ﷺ نے لکھا اس میں واضح ہدایات درج ہیں کہ لوگوں کے لئے قرآن، حدیث، فقہ اور علوم اسلامیہ کی تعلیم کا بندوبست کریں۔[30] ان تعلیمات کی روشنی میں ضروری ہے اساتذہ کی تقرری اور ان کی تربیت کے لئے خصوصی توجہ اور میکینزم بنایا جائے۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی لکھتے ہیں:

"فوری طور پر جن اقدامات کی ضرورت ہے ان میں اساتذہ کی تربیت اور توجیہ نو سر فہرست ہے۔ پرائمری اور مڈل سطح کے اساتذہ سے لے کر کالج اور یونیورسٹی کے اساتذہ کے لئے الگ الگ تربیتی پروگرام مرتب کئے جانے چاہییں۔ بلاشبہ یہ ایک مشکل اور دقت طلب اور وسائل طلب کام ہے لیکن عزم اور ارادے اور اخلاص کے سامنے ہر بڑی مہم چھوٹی اور ہر بڑی مشکل اور رکاوٹ ہیچ ہو جاتی ہے۔"[31]

- **ذرائع ابلاغ کا کردار**

اساتذہ کی تربیت کے ساتھ ذرائع ابلاغ کے حوالے سے آگاہی مہم بھی ضروری ہے۔ کیونکہ آج ذرائع ابلاغ کا دور ہے۔ ہر غلط صحیح معلومات لوگوں کی دسترس میں ہے جس سے لوگ وساوس کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ڈاکٹر غازی لکھتے ہیں:

"آج ذرائع ابلاغ جس ہولناک انداز میں دنیائے اسلام پر چھا رہے ہیں اور مذہب و اخلاق کی دیواروں کو ایک ایک کر کے ڈھا رہے ہیں وہ کسی ذی عقل سے پوشیدہ نہیں۔ ان حالات میں ضروری ہے کہ ابلاغ کو تعلیم و تبلیغ کا ذریعہ بنایا جائے۔ اگر ذرائع ابلاغ سے کفر و الحاد، اقدار سے دوری، اخلاق سے بُعد اور مذہب سے بیزاری مسلمان نسلوں میں اتاری جا سکتی ہے تو آخر مسلمانوں کو اس سے کیا چیز مانع ہے کہ وہ بھی آج کے ذرائع ابلاغ کو مذہب و اخلاق، اسلامی اخوت و مساوات اور شریعت و جہاد کی تبلیغ کے لئے استعمال کریں؟"[32]

آج ضرورت اس امر کی ہے کہ ذرائع ابلاغ کو مثبت استعمال میں لانے اور تعلیم و تدریس کا عمل اس کے ذریعے جاری رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی جانی چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان بلغوا عنی ولو آیه[33] بھی اسی بات کا متقاضی ہے۔

4.4. نصاب تعلیم

ریاست کے تعلیمی نظام میں نصاب کو بے حد اہمیت حاصل ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ نصاب ہی درحقیقت معاشرے کا صحیح رخ متعین کرتا ہے تو یہ غلط نہ ہو گا۔ نصاب کی ہم آہنگی، نصاب کی جامعیت، نصاب کی معنویت، نصاب کا تعصبیت سے پاک اور مبرا ہونا نظام تعلیم کی افادیت حاصل کرنے کے لئے نہایت ضروری ہے۔ مدینہ کی ریاست میں خالص دینی علوم کے علاوہ اس زمانے میں رائج اور ضرورت کے تقاضے کے مطابق دوسرے مفید علوم بھی "صفہ" میں سکھائے اور پڑھائے جاتے تھے۔ ان نصابی اور غیر نصابی سرگرمیوں میں علم میراث، طب، علم ہیئت، علم انساب، علم فلکیات اور علم تجوید کی تعلیم دی جاتی تھی۔[34] حضرت زید بن ثابتؓ جو کہ صفہ کے فاضلین میں سے تھے جنہوں نے بدر کے قیدیوں سے لکھنا سیکھا تھا۔ نہایت خوشخط تھے۔ علم الفرائض اور علم الانساب میں آپ کی مہارت مسلّم تھی۔ حضرت زید بن ثابتؓ کو زبانیں سیکھنے کا بھی بہت شوق تھا چنانچہ آپ نے مدینہ منورہ آنے والے مختلف وفود سے زبانیں سیکھنا شروع کر دیں۔[35]

عہد نبوی ﷺ میں جس نظام تعلیم کی بنیاد ڈالی گئی تھی وہ خلافت راشدہ اور بالخصوص حضرت عمرؓ کے دور میں اپنے عروج کو پہنچا اور شعبہ تعلیم میں زبردست انقلابی تبدیلیوں کی بنیاد ڈالی۔ باقاعدہ پرائمری تک کا نصاب مدون کیا۔ یہ علم لازم اور جبری تھا یعنی ہر ایک کو حاصل کرنا لازم قرار دیا گیا۔ حضرت عمرؓ نے قرآن مجید کی چنیدہ سورتوں پر مشتمل ایک نصاب بھی ترتیب دیا اور اس کے تفصیلی مطالعے کا حکم دیا۔ اسی طرح

جغرافیہ کا نصاب بھی ترتیب دیا اور اس پر حضرت عمرو بن عاص کو مقرر فرمایا۔[36] حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دور میں عربی گرائمر کے اصول بھی آپ کی ذاتی نگرانی میں مرتب ہوئے اور غیر عرب طلبہ کے لئے نصاب تعلیم میں ایک نئے مضمون کا اضافہ ہوا۔[37] اس کے بعد دولت عباسیہ کے ابتدائی زمانہ تک مختلف شرعی، ادبی اور عقلی علوم کی تدوین ہوئی اور غیر زبانوں کے علوم عربی زبان میں منتقل کئے گئے۔ چنانچہ اس عہد تک دینی علوم کے علاوہ تاریخ، ادب، طب، فلسفہ، منطق، ریاضیات اور فلکیات کے علم میں عرب نے بہت ترقی کر لی تھی۔[38]

نصاب کے بارے میں مشہور مفکر ابن خلدون کا نظریہ الگ ہے۔ بقول ابن خلدون:

> ”متداول علوم کی دو قسمیں ہیں، ایک مقصود بالذات ہیں، جیسے تفسیر، حدیث، فقہ، کلام، طبعیات، الہیات اور ایک وہ علوم ہیں جو ان کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں، جیسے قواعد عربی، حساب، منطق، پس جو علوم مقصود بالذات ہیں اگر ان میں کلام کو وسعت دی جائے، تو کوئی حرج نہیں لیکن جو علوم دوسرے علوم کا آلہ ہیں، جیسے قواعد عربی اور منطق وغیرہ تو ان کو صرف اسی حیثیت سے دیکھنا چاہیے، کہ وہ آلہ ہیں، اس لیے ان میں کلام کو وسعت نہ دینی چاہیے، کیوں کہ اس سے ان کا اصل مقصد فوت ہو جائے گا اور علوم مقصود بالذات کی تحصیل میں رکاوٹ پیدا ہوگی، حالانکہ وہی اہم ہیں۔“[39]

یعنی جو مقصود بالذات ہے ان پر خاص توجہ دی جائے اور دوسرے علوم جو معاونت کے لئے ہیں ان کو وسعت قطعاً نہ دی جائے۔

مندرجہ بالا روایات سے نصاب کا ایک رخ متعین ہو رہا ہے۔ جس کے نتیجے میں یہ بات ظاہر ہو رہی ہے کہ نصاب میں دو طرح کے علوم کو شامل کیا جائے ایک کی حیثیت فرض عین کی ہو اور ایک کی حیثیت فرض کفایہ کی ہو۔ فرض عین وہ علم ہے جو اسلام اپنے ماننے والوں پر کم سے کم لاگو کرتا ہے جس کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر لازم ہے۔ جس میں اسلامی عقائد کی بقدر ضرورت تعلیم، بنیادی اسلامی احکام کا علم جس کے ذریعے کم از کم روزمرہ کی عبادات انجام دی جاسکیں، بنیادی اور ضروری معاشرتی احکام اور حقوق و فرائض سے واقفیت اور اپنے پیشے اور معاشی معاملات کا ضروری علم تاکہ حرام جیسے سود وغیرہ سے بچا جا سکے۔ یہ وہ ضروری علم ہے جو کم از کم ہر مسلمان کو ضرور سیکھنے اور سمجھنے چاہیئیں۔ ڈاکٹر غازی کے بقول:

> ”تعلیم کے اس ضروری درجے کے بعد دوسرا درجہ فرض کفایہ کا ہے۔ جس میں فقہائے اسلام نے سائنس، فنی مہارتوں، طب اور انجینئرنگ جیسے علوم کو شامل کیا ہے جن کا حصول پوری امت مسلمہ کی اجتماعی ذمہ داری ہے۔ اگر امت مسلمہ میں ایک موثر تعداد ان علوم میں اتنی مہارت حاصل کر لے کہ وہ اپنے معاملات میں خود کفیل ہو جائے تو یہ فرض ادا ہو جائے گا۔“

امت مسلمہ اپنے عروج کے دور میں سائنسی علوم میں خود کفیل تھی اور بعض ادوار میں یکتا تھی کہ اس وقت پوری دنیا میں مسلمان اقوام سے زیادہ سائنسی علوم کے ماہرین کہیں موجود نہ تھے۔ جیسا کہ خلیفہ مقتدر باللہ نے 319ھ میں صرف ایک شہر کے طبیبوں کو شمار کرایا تو ان کی تعداد 860 نکلی جن میں وہ ماہرین فن شامل نہ تھے جنہیں شہرت عام حاصل تھی اور جن کی حذاقت اور کمال فن پر عام اتفاق تھا۔[40]

ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ مزید لکھتے ہیں:

ریاست اگر اس نہج پر کام کرے اور فرض عین والے مرحلے کو پرائمری اور مڈل کی سطحوں تک مکمل کر لیا جائے اور دوسرا فرض کفایہ والے مرحلے کو گریجویشن تک حل کر لیا جائے تو نصاب تعلیم کا ایک اہم مقصد حاصل ہو جائے گا۔[41]

ضرورت اس امر کی بھی ہے ریاست کے نظام تعلیم کے نصاب کو زمانے کے مطابق ہم آہنگ کیا جائے تاکہ نصاب موجودہ دور کے مسائل و سائل کے لئے کافی وشافی ہو اور اس میں کسی قسم کی تشنگی نہ پائے جائے۔ بچوں اور بڑوں کے لئے بالخصوص اور دیگر عام لوگوں کے لئے بالعموم ایسا دینی ادب تیار کیا جائے، جو نئے شبہات کا جواب دے، نئے اجنبی اور نامانوس ماحول میں اسلام پر کاربند رہنے اور اسلام سے وابستگی پر فخر محسوس کرنے میں مدد دے اور وہ ترغیب و تحریک پیدا کرے جو مغرب کی فکری اور تہذیبی غلامی سے امت کو نجات دلانے کے لئے ناگزیر ہے۔

4.5. طریقہ ہائے تعلیم

تعلیم و تدریس کے وقت طلباء کو موثر انداز میں ذہن نشین کرانے کے لئے جو طریقہ استعمال کیا جاتا ہے اسے عام طور پر طریقہ تعلیم کہا جاتا ہے۔ تعلیمی نظام میں جدید و قدیم دونوں طرح کے طریقے رائج ہیں۔ علم کی مناسبت اور ان کی نوعیت کے لحاظ سے طریقہ بھی مختلف ہو سکتا ہے۔ سیرت النبی ﷺ طریقہ تعلیم کے بارے میں نہایت زریں اصول پیش کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسلامی تعلیمات کی ترویج کے لئے انسانی نفسیات کو مد نظر رکھا۔ اس میں انسان کے فطری میلانات، رویوں اور احساسات کو مد نظر رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ اس امر کی تصدیق عربی کے اس مشہور مقولے سے بھی ہوتی ہے" کلموالناس علی قدر عقولھم "[42] لوگوں سے ان کی عقلوں کے مطابق بات کرو۔ انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ وہ خوبصورت آسان اور مختصر بات کو پسند کرتا ہے۔ اس لئے طریقہ تعلیم ایسا ہونا چاہیے کہ وہ سامنے والے کی عمر، ضروریات، مزاج اور خصوصیات کے مطابق ہم آہنگ ہو۔ اس ضمن میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد مبارک بہت واضح ہے:

یسروا ولا تعسروا وبشروا ولا تنفروا [43]

آسانیاں باہم پہنچاؤ، شدائد میں مبتلا نہ کرو۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ انسانی بشری تقاضوں کو سامنے رکھ کر تعلیم فرمایا کرتے تھے۔ بخاری میں ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہم لوگوں کو وقفہ دے کر نصیحت فرماتے تھے تاکہ ہم اکتا نہ جائیں۔[44]

دوسرا طریقہ تعلیم یہ تھا کہ بات چیت کے دوران سامنے والے کو بات سمجھا دی جائے اور اسے یہ ثقیل بھی نہ گزرے۔ رسول اللہ ﷺ صحابہ کے درمیان بیٹھ جاتے اور تعلیم دیتے اور صحابہ اس بات کو سیکھ اور سمجھ لیتے اور آپس میں اس بات کا تکرار کر لیتے تھے۔ اس طریقہ تعلیم کو "تعلیم وارشاد" کا طریقہ بھی کہا جاتا ہے۔ اسے حلقہ بنا کر بیٹھنا بھی کہا جاتا ہے۔ یہ طریقہ بھی بے حد کارآمد اور مئوثر ہے۔[45] یہ طریقہ آج بھی عرب ممالک اور برصغیر کے مدارس وغیرہ میں جاری ہے۔ جہاں طلباء حلقے بنا کر بیٹھ جاتے ہیں اور استاد کے دیئے گئے سبق کو ایک دوسرے پر دہراتے ہیں۔ ایک طریقہ خطابت یا تقریری طریقہ بھی مستعمل تھا۔ یہ طریقہ سب سے قدیم ہے اور آج تک مستعمل ہے۔ رسول اللہ ﷺ بسا اوقات اس طریقہ کو بھی استعمال فرمایا کرتے تھے جیسا کہ خطبۂ حجۃ الوداع کے موقع پر ایک مجمع عام سے آپ ﷺ نے خطاب فرمایا تھا۔ یہ طریقہ بھی رائج ہے۔ مختلف تعلیمی حلقوں میں اس کو پسند کیا جاتا ہے۔ ایک طریقہ سوال و جواب کا بھی ہوتا تھا۔ جس میں رسول اللہ ﷺ استفہامیہ

انداز میں صحابہ کرام سے سوال کرتے تھے اور جب کوئی جواب نہ آتا تو پھر خود اس سوال کا جواب عنایت فرماتے تھے۔ یہ طریقہ بھی نہایت کارآمد ہے۔ علامہ شبلی اسلامی نظام تعلیم کے دور اول میں طرز تعلیم کے متعلق لکھتے ہیں:

اس دور میں تعلیم کا مستند طریقہ وہی تھا جو آج مہذب ملکوں میں جاری ہے، یعنی املا جس کو اردو میں لیکچر دینا کہتے ہیں، استاذ ایک بلند مقام مثلاً کرسی یا منبر پر بیٹھ جاتا تھا اور کسی فن کے مسائل زبانی بیان کرنا شروع کرتا تھا، طالب علم جو ہمیشہ دوات و قلم لے کر بیٹھتے تھے، ان تحقیقات کو استاذ کے خاص لفظوں میں لکھتے جاتے تھے، اس طرح ایک مستقل کتاب تیار ہو جاتی تھی اور امالی کے نام سے مشہور ہوتی تھی، امالی ابن درید اور ثعلب وغیرہ اسی قسم کی تصنیفات ہیں، جب معمول سے زیادہ طلبہ حلقہ درس میں جمع ہوتے تھے تو ستاذ کے سامنے دائیں بائیں چند فاضل کھڑے ہوتے تھے جو دور والوں کو استاذ کے خاص الفاظ سنا سکتے تھے، یہ لوگ مستملی کہلاتے تھے، یہ طریقہ تعلیم منقولی علوم کے ساتھ مخصوص نہیں تھا، ابو بشر متی جو بغداد میں ارسطو کی کتاب المنطق کا درس دیتا تھا، اس کے لیکچر میں سینکڑوں طلبہ شریک ہوتے تھے، جن میں فارابی بھی تھا اور اس نے کئی سو صفحے خود نقل کے تھے۔[46]

ابن خلدون کے ہاں طریقہ تعلیم میں تدریجی نظام زیادہ مناسب ہے۔ بقول ابن خلدون:

"طالب علموں کے لیے علوم کی تلقین اس وقت مفید ہو سکتی ہے، جب وہ تھوڑا تھوڑا تدریجاً پڑھائے جائیں، پہلے ہر فن کے چند اصولی مسئلے ذہن نشین کرائے جائیں، پھر اجمال کے ساتھ ان کی شرح بیان کی جائے اور اس میں ان کی قوت فہم اور استعداد ملحوظ رکھی جائے، یہاں تک کہ فن کے آخری حصے انہیں سمجھائے جائیں، اس وقت ان میں اس فن کے متعلق ایک قسم کا ملکہ پیدا ہو گا اور اس کی غایت یہ ہو گی کہ وہ اس فن کے سمجھنے اور اس کے مسائل حاصل کرنے کے لیے تیار ہو جائیں، پھر دوسرے فن کی جانب رجوع کیا جائے اور پھر اسی ترتیب سے وہ فن ان کو تدریجاً پڑھایا جائے۔"[47]

ریاست کے تعلیمی نظام کا مختصر ڈھانچہ سیرت النبی ﷺ کے منہج کو سامنے رکھتے ہوئے مندرجہ بالا سطور میں پیش کیا ہے۔ اسلام کے تعلیمی نظام اور اسے سیرت کے پہلو سے نمایاں کرنے کے لئے یہ موضوع تفصیلی مباحث کا متقاضی ہے۔ اصولی طور پر چند مباحث کا احاطہ کیا گیا ہے۔

5. نتائج بحث

دین اسلام تعلیم و تدریس کا سب سے بڑا علم بردار اور داعی ہے جس کی تبلیغ و اشاعت کی ابتداء ہی لفظ "اقراء" سے ہوئی۔ اسلامی نقطہ نظر سے تعلیم ایسا عمل ہے جو انسان کو اپنی ذات، معاشرے، کائنات، خالق اور ان کے احکامات سے روشناس کرواتی ہے۔ اسلام میں تعلیم کا مقصد انسانی معاشرے کو ایک ایسا ضابطہ حیات عطا کرنا ہے جس کی بنیاد عدل و انصاف، حق شناسی، پاکیزگی، عمدہ خصلت و عادات، شائستہ تہذیب و تمدن، خدا ترسی اور بندگی پر ہو۔ یہ ایک ایسا بامقصد عمل ہے جس سے فرد اور معاشرہ کی اصلاح کی جاتی ہے اور اس کا مقصد طبعی قوتوں کی نشوونما اور فطری کردار کی تربیت ہے۔ خالصتاً انسانیت کی فلاح و بہبود اور ترقی کے لئے احسن ترین نظام تعلیم اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے ذریعے اپنے

کامل ترین شکل میں عطا فرمایا۔ مدینہ منورہ میں اس نظام تعلیم کی بنیاد رکھی گئی اور پھر بعد کے ادوار میں اس نظام نے الٰہی اصولوں پر مبنی بنیاد کے بل بوتے پر پوری دنیا میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا۔ ریاست کا ادارہ انسانی معاشرے کی ایسی بنیادی ضرورت ہے جسے آغاز انسانیت سے آج تک کبھی نظر انداز نہیں کیا جا سکا۔ کیونکہ کسی معاشرے کی بقا کے لئے اس کی اجتماعی اقدار کا تحفظ، امن و سلامتی اور اس کا نظم و ضبط ایک ناگزیر ضرورت ہے اور یہ ضرورت ہمیشہ ریاست نے پوری کی ہے۔ چنانچہ ریاست کے ذمہ دوسرے شعبہ ہائے زندگی کی طرح نظام تعلیم کی تدوین و تنفیذ بھی واجب ہے۔ تاکہ وہ اپنے افراد کو تعلیمی صلاحیتوں سے مزین کر کے معاشرے کی فلاح و بہبود میں اپنا اہم کردار ادا کر سکے۔ ریاست کے نظام تعلیم کے اہم عناصر میں مقاصد تعلیم، اہداف تعلیم، نصاب تعلیم، طریقہ تعلیم اور ذرائع تعلیم شامل ہیں۔ سیرت النبی ﷺ کے تناظر میں ان عناصر کے بارے نہ صرف بہترین رہنمائی موجود ہے بلکہ اس نظام کے نفاذ کا عملی نمونہ اور اس کے نتائج کا بین ثبوت پوری دنیا کے سامنے موجود ہے۔ نظام تعلیم کا یہ اسوہ ایک ریاست کے لئے بہترین رول ماڈل کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ انقلابی جدوجہد تھی جس نے صدیوں سے جاری ریاستی تعلیمی و تمدنی نظام کو یکسر تبدیل کر دیا تھا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ آج کے دور میں جب انسان تشکیک اور منافرت کے دوراہے پر کھڑا ہے رسول اللہ ﷺ کے اسوہ کو اپنانے کی ضرورت ہے۔ بس یہی ایک آخری راستہ ہے جو اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا نقطہ آغاز ہو سکتا ہے۔

References:

1. Manṣūrī Pūrī, Qāḍī Muḥammad Sulaymān. *Raḥmat li-l-ʿĀlamīn*. Lahore: Shaykh Ghulām ʿAlī and Sons, Kashmīrī Bāzār, 1997, 3:402.
2. Nadwī, Sayyid Sulaymān. *Khuṭabāt-i Madras*. Lahore: Iẓhār Sons, Urdu Bāzār, 1972, 9–10.
3. *Al-Mujādilah*, 58:11.
4. Nadwī, Sayyid Riyāsat ʿAlī. *Islāmī Niẓām-i Taʿlīm*. Aʿẓamgarh, Uttar Pradesh: Dār al-Muṣannifīn Shiblī Akādamī, n.d., 13.
5. al-Dārimī, *Sunan al-Dārimī*, al-Muqaddimah, Bāb fī Faḍl al-ʿIlm wa-al-ʿĀlim, 1:105.
6. Ghulām ʿĀbid Khān. *ʿAhd-i Nabawī kā Niẓām-i Taʿlīm*. Lahore: ʿAwāmī Kutub Khānah, Urdu Bāzār, 1992, 39.
7. Ḍiyāʾ al-Dīn Aḥmad. *Tārīkh al-Taʿlīm*. Aligarh, India: Maṭbaʿ Institute of Aligarh, 1918, 28.
8. Ibn Manẓūr. *Lisān al-ʿArab*. Beirut: Dār al-Maʿārif, n.d., 1034.
9. Little, William. *The Short Oxford English Dictionary*. Oxford: The Clarendon Press, n.d., 222.

10.Tanẓīl al-Raḥmān. *Qānūnī Lughat*. Lahore: Urdu Academy, 1963, 345.

11.Ibn Khaldūn, ʿAbd al-Raḥmān. *Muqaddimah*. Translated by Nafīs Akādamī. Lahore: Nafīs Academy, 1996, 84.

12.al-Ghazālī, Abū Ḥāmid Muḥammad. *Iḥyāʾ ʿUlūm al-Dīn*. Egypt: Maṭbaʿat al-Musṭafā al-Bābī al-Ḥalabī, 1939, 20.

13.Ghāzī, Maḥmūd Aḥmad. *Muḥāḍarāt-i Taʿlīm*. Karachi: Dār al-ʿIlm wa-al-Taḥqīq, Zawār Academy, n.d., 25.

14.*Al-Isrāʾ*, 17:105.

15.*Al-Anʿām*, 6:162.

16.*Al-Dhāriyāt*, 51:56.

17.*Al-Ḥashr*, 59:18.

18.*Al-Baqarah*, 2:152.

19.*Al-Baqarah*, 2:213.

20.Shiblī Nuʿmānī. *Sīrat al-Nabī*. Lahore: Muḥammad Saʿīd and Sons, Tājirān-i Kutub, Qurʾān Maḥall, Urdu Bāzār, 1971, 2:84.

21.al-Kattānī, ʿAbd al-Ḥayy. *al-Tarātīb al-Idāriyyah*. Beirut: Dār al-Arqam, n.d., 1:105.

22.al-Balādhurī, Aḥmad ibn Yaḥyā. *Jumal min Ansāb al-Ashrāf*. Beirut: Dār al-Fikr, 1417 AH, 1:273.

23.Nadwī, Sayyid Sulaymān. *Sīrat al-Nabī*. Aʿẓamgarh, Uttar Pradesh: Maʿārif, Shāhrah-i Aʿẓamgarh, 1999, 4:84.

24.Manṣūrī Pūrī, Sayyid Sulaymān. *Raḥmat li-l-ʿĀlamīn*, 1:355.

25.Zubayrī, Muḥammad Amīn. *Muslim Khawātīn kī Taʿlīm*. n.p.: Academy of Educational Research, 1961, 71.

26.Ghāzī, Maḥmūd Aḥmad. *Muḥāḍarāt-i Sīrah*. Lahore: al-Fayṣal Nāshirān-i Kutub, 2012, 419.

27.al-Dārimī. *Sunan al-Dārimī*, al-Muqaddimah, Bāb fī Faḍl al-ʿIlm wa-al-ʿĀlim, 1:105.

28.Ghulām ʿĀbid Khān. *ʿAhd-i Nabawī kā Niẓām-i Taʿlīm*, 69.

29.Ibn ʿAbd al-Barr. *Mukhtaṣar Jāmiʿ Bayān al-ʿIlm*. Egypt: Dār al-Khayr li-l-Ṭibāʿah, 1994, 1:89.

30.Ghāzī, Maḥmūd Aḥmad. *Muḥāḍarāt-i Taʿlīm*, 60.

31.Ghāzī, Maḥmūd Aḥmad. *Muḥāḍarāt-i Taʿlīm*, 209.

32.Ghāzī, Maḥmūd Aḥmad. *Muḥāḍarāt-i Taʿlīm*, 210.

33.al-Bukhārī, Muḥammad ibn Ismāʿīl. *al-Jāmiʿ al-Ṣaḥīḥ*, ḥadīth no. 3461.

34.al-Dhahabī, Abū ʿAbd Allāh Muḥammad Shams al-Dīn. *Tadhkirat al-Ḥuffāẓ*. Translated by Islamic Publishing House. Lahore: Islamic Publishing House, 1981, 1:472.
35.Ghāzī, Maḥmūd Aḥmad. *Muḥāḍarāt-i Taʿlīm*, 168.
36.Ibn al-Athīr, Abū al-Ḥasan ʿAlī al-Jazarī. *Usd al-Ghābah fī Maʿrifat al-Ṣaḥābah*. Translated by Maktabah Nabawiyyah. Lahore: Maktabah Nabawiyyah, n.d., 3:74.
37.Ibn ʿAbd al-Barr. *Mukhtaṣar Jāmiʿ Bayān al-ʿIlm*, 1:96.
38.Nadwī, Sayyid Riyāsat ʿAlī. *Islāmī Niẓām-i Taʿlīm*, 42.
39.Ibn Khaldūn, ʿAbd al-Raḥmān. *Muqaddimah*, 618.
40.Nadwī, Sayyid Riyāsat ʿAlī. *Islāmī Niẓām-i Taʿlīm*, 87.
41.Ghāzī, Maḥmūd Aḥmad. *Muḥāḍarāt-i Taʿlīm*, 218.
42.Khān, Afẓal Ḥusayn. *Fann-i Taʿlīm wa Tarbiyat*. Lahore: Islamic Publications, Shāh ʿĀlam Market, n.d., 87.
43.al-Bukhārī, Muḥammad ibn Ismāʿīl. *al-Jāmiʿ al-Ṣaḥīḥ*, ḥadīth no. 6125.
44.al-Bukhārī, Muḥammad ibn Ismāʿīl. *al-Jāmiʿ al-Ṣaḥīḥ*, ḥadīth no. 69.
45.Nadwī, Sayyid Sulaymān. *Sīrat al-Nabī*, 4:91.
46.Ibn Jamāʿah, Muḥammad ibn Ibrāhīm. *Tadhkirat al-Sāmiʿ wa-al-Mutakallim fī Ādāb al-ʿĀlim wa-al-Mutaʿallim*, 56.
47. Ibn Khaldūn, ʿAbd al-Raḥmān. *Muqaddimah*, 609.

حوالہ جات

1 منصوری پوری، قاضی محمد سلیمان، رحمۃ اللعالمین، شیخ غلام علی اینڈ سنز کشمیری بازار، لاہور 1997ء، 3/402
2 ندوی، سید سلیمان، خطبات مدراس، اظہار سنز اردو بازار لاہور، 1972ء، ص10، 9
3 المجادلہ: 11
4 ندوی، سید ریاست علی، اسلامی نظام تعلیم، دار المصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، یوپی، ص: 13
5 سنن الدارمی، المقدمہ، باب فی فضل العلم والعالم، 1/105
6 غلام عابد خان، عہد نبوی کا نظام تعلیم، عوامی کتب خانہ اردو بازار لاہور، 1992ء، ص: 39
7 ضیاء الدین احمد، تاریخ التعلیم، مطبع انسٹی ٹیوٹ آف علی گڑھ، علی گڑھ، انڈیا 1918ء، ص: 28
8 ابن منظور، لسان العرب، دار المعارف، بیروت، ص: 1034
9 William Little, The Short Oxford English Dictionary, The Calrendon Press, P:222
10 ڈاکٹر تنزیل الرحمن، قانونی لغت، اردو اکیڈمی، لاہور 1963، ص: 345
11 ابن خلدون، عبد الرحمن، مقدمہ، مترجم نفیس اکیڈمی لاہور، 1996ء، ص84
12 الغزالی، ابو حامد محمد، احیاء علوم الدین، مطبع المصطفیٰ البابی، مصر 1939، ص: 20
13 غازی، ڈاکٹر محمود احمد، محاضرات تعلیم، دار العلم والتحقیق، زوار اکیڈمی، کراچی، ص: 25
14 الاسراء: 105
15 الانعام: 162
16 الذاریات: 56
17 الحشر: 18
18 البقرۃ: 152
19 البقرۃ: 213
20 شبلی نعمانی، سیرت النبی، محمد سعید اینڈ سنز تاجران کتب قرآن محل، اردو بازار لاہور، 1971ء، 2/84
21 الکتانی، عبد الحیی، التراتیب الاداریہ، دار الارقم، بیروت، 1/105
22 البلاذری، احمد بن یحیٰ، جمل من انساب الاشراف، دار الفکر بیروت، 1417ھ، 1/273
23 ندوی، سید سلیمان، سیرت النبی، معارف شاہراہ اعظم گڑھ، یوپی، 1999ء، 4/84
24 منصوری پوری، سید سلیمان، رحمۃ اللعالمین، 1/355
25 زبیری، محمد امین، مسلم خواتین کی تعلیم، اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ 1961ء، ص: 71
26 ڈاکٹر محمود احمد غازی، محاضرات سیرت، الفیصل ناشران کتب لاہور، 2012، ص: 419
27 سنن الدارمی، المقدمہ، باب فی فضل العلم والعالم، 1/105

28 غلام عابد خان، عہد نبوی کا نظام تعلیم، عوامی کتب خانہ اردو بازار لاہور، 1992ء، ص:69

29 ابن عبد البر، مختصر جامع بیان العلم، دار الخیر للطباعۃ مصر 1994ء، ص 1/ 89

30 غازی، ڈاکٹر محمود احمد، محاضرات تعلیم، دار العلم والتحقیق، زوار اکیڈمی، کراچی، ص:60

31 ایضاً: ص:209

32 ایضاً، ص:210

33 البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، رقم الحدیث:3461

34 الذہبی، ابو عبد اللہ محمد شمس الدین، تذکرۃ الحفاظ، مترجم اسلامک پبلشنگ ہاوس لاہور، 1981ء، 1/ 472

35 غازی، ڈاکٹر محمود احمد، محاضرات تعلیم، دار العلم والتحقیق، زوار اکیڈمی، کراچی، ص:168

36 ابن الاثیر، ابو الحسن علی جزری، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، مترجم مکتبہ نبویہ لاہور، 3/ 74

37 ابن عبد البر، مختصر جامع بیان العلم، دار الخیر للطباعۃ مصر 1994ء، ص 1/ 96

38 ندوی، سید ریاست علی، اسلامی نظام تعلیم، دار المصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، یوپی، ص:42

39 ابن خلدون، عبد الرحمن، مقدمہ، مترجم نفیس اکیڈمی لاہور، 1996ء، ص:618

40 ندوی، سید ریاست علی، اسلامی نظام تعلیم، دار المصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، یوپی، ص:87

41 غازی، ڈاکٹر محمود احمد، محاضرات تعلیم، دار العلم والتحقیق، زوار اکیڈمی، کراچی، ص:218

42 خان افضل حسین، فن تعلیم وتربیت، اسلامک پبلیکیشنز، شاہ عالم مارکیٹ لاہور، ص:87

43 البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، رقم الحدیث:6125

44 البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، رقم الحدیث:69

45 ندوی، سید سلیمان، سیرت النبی، معارف شاہراہ اعظم گڑھ، یوپی، 1999ء، 4/ 91

46 ابن جماعہ، محمد بن ابراہیم، تذکرۃ السامع والمتکلم فی آداب العالم والمتعلم، ص:56

47 ابن خلدون، عبد الرحمن، مقدمہ، مترجم نفیس اکیڈمی لاہور، 1996ء، ص:609